صدف ریزے
جمیل ملک

جمیل ملک

ناشر : نوید پبلشرز ، این/۲۲۲ ،
پراچہ سٹریٹ، سرکلر روڈ ، راولپنڈی

طباعت :

تعداد : ۵۰۰

قیمت : ۱۲۵ روپے

کتابت : اختر شیخ

طبع اول : ۱۹۹۶ء

سرورق : موجد

فوٹوگرافی : نوید جمیل

انتساب

○

مُوجد کے نام
محبت کے ساتھ

○

تُو مصوّر ہے اتنے رنگوں کا
جس قدر رنگ کائنات میں ہیں
جانے تُو کب انہیں سمیٹ سکے

جب لطافت جمال بن جائے
جب تاثر خیال بن جائے
ہائیکو کا نزول ہوتا ہے

صدف ریزے

ہائیکو ایک مختصر جاپانی صنفِ سخن ہے جسے اب اردو شاعری میں بھی اپنالیا گیا ہے اور اس کے موضوع ، ہیئت اور اسلوب پر اُسی طرح بحث جاری ہے جس طرح ابتدا میں ہر نئی صنفِ سخن پر بحث جاری رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جدید اردو نظم اور غزل ترقی کی وہ منزلیں طے نہ کرپاتیں جو آج تک وہ سر کرتی چلی جارہی ہیں۔ سو اس لیے اگر ہائیکو پر بھی گفتگو ہو رہی ہے تو اسے متنازعہ بنانے کی بجائے یہ رویّہ اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے کہ اس بحث و تمحیص کو صحت مندانہ اور افہام و تفہیم کی بنیادوں پر اس طرح استوار کیا جائے کہ یہ مسلسل آگے بڑھتی رہے، جیسے اب تک اس صنفِ سخن نے ثابت قدمی اور ارتقا پذیری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

مَیں نے بھی حمد و نعت ، نظم و غزل اور گیت کی طرح ہائیکو کو بھی گذشتہ چند برسوں سے مکمل طور پر اپنا لیا ہے۔ ہر شاعری کی طرح مجھے بھی ہائیکو کی تخلیق کاری کے مراحل سے گزرتے ہوئے موضوع ، ہیئت اور اسلوب کے مراحل طے کرنا پڑے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ کسی بھی صنفِ سخن کی تخلیق کاری کے لئے یہ کڑے قوس طے کرنا ہی پڑتے ہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہوتی ہے کہ ان کا حق ادا ہُوا بھی یا نہیں!

جہاں تک موضوع کا تعلق ہے، محبت اور فطرت کی ترجمانی اور عکاسی کے رنگا رنگ موضوعات اور منظر نامے اُس سے زیادہ قریب ہیں جو بیک وقت دروں بینی اور بیروں بینی کے بھی مظہر ہیں۔ تاہم میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان دونوں موضوعات

کی بنیادی اہمیت کے باوجود، موضوعات کے سلسلے میں ہائیکو کو اپنا دامن انتہائی کشادہ رکھنا چاہیئے ۔ یہ ضروری تو نہیں کہ جہاں سے غزل اور نظم اور دیگر اصنافِ سخن نے ابتدا کی تھی وہیں سے ہائیکو بھی محدودیت کے دائرے میں رہ کر ہی ابتدا کرے ۔ بلکہ گذشتہ تجربات اور زمانے کی توسیع و ترقی اور بے پناہ امکانات کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو کام کل کرنا ہے اس کا آغاز آج ہی کیوں نہ کر لیا جائے اور اس میں وہ تمام امکانی موضوعات شامل کرنے کی گنجائشیں پیدا کی جائیں جو انسان کے قلب و جان اور ذہنِ رسا کی دسترس میں ہیں ، رہیں گی اور ان کے ہمرکاب ہمارا اپنا ثقافتی پس منظر بھی جھلکتا رہے گا ۔ چنانچہ میں نے ہائیکو میں موضوعات کی پیش کاری کے سلسلے میں محبت اور فطرت کے تناظر کے باوجود یہی وسیع ترین رویہ اختیار کیا ہے ۔

موضوع کے ساتھ ہی اسلوب کا سوال بھی بڑا اہم اور بنیادی ہے ۔ اس سلسلے میں میرا رویّہ یہ رہا ہے کہ ہائیکو کا موضوع خواہ کتنا ہی گھمبیر کیوں نہ ہو جہاں تک اس کی پیش کاری کا تعلق ہے اس کو سہل ، عام فہم ، لچک دار ، نرم ، دلنواز ، تصویریت اور غنائیت سے مشخّص و مزّین ہونا چاہیئے ۔ اسلوب کے اعتبار سے ہائیکو میں مشکل پسندی اور ثقالت کسی صورت بھی گوارا نہ ہو سکے گی کیونکہ ایسا کرنے سے ہائیکو اسلوب اور اظہارِ پیشکش کے لحاظ سے ہائیکو کی بجائے سہ مصرعی نظم کے زیادہ قریب چلا جائے گا ۔ جبکہ ہائیکو کے اسلوب کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسے انشائیے کی طرح مشکل مراحل سے بھی نہایت بے تکلفی ، سادگی اور غیر رسمی انداز اور سبھاؤ کا چلن اپناتے ہوئے آسانی سے گزر جانا چاہیئے ۔ ہائیکو کے تینوں مصرعوں میں آغاز ، وسط اور انجام کے تینوں مراحل طے کرتے ہوئے ہائیکو کو اس کے نقطۂ عروج پر لا کر یوں اختتام پذیر ہونا چاہیئے کہ قاری نہ صرف سوچنے پر مجبور ہو جائے بلکہ اس کے ذہن د

دل کے بند دروازے بھی آپ ہی آپ کُھلتے چلے جائیں۔

اب رہی ہائیکو کی ہیئت کی بات تو اسے مساوی الاوزان مصرعوں اور ۵۔۷۔۵ کے تنازع میں الجھانے کے بجائے مثبت رویّہ اختیار کرنا چاہیئے۔ ہر موضوع اپنی ہیئت خود لے کے آتا ہے۔ اگر کسی موضوع کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ۵۔۷۔۵ کی ہیئت پر زیادہ پورا اُتر سکتا ہے تو اُسے یہی ہیئت اپنانا چاہیئے اور اگر کوئی تخلیق کار یہ سمجھتا ہے کہ مساوی الاوزان مصرعوں میں وہ بات آورد کی بجائے زیادہ آمد اور بے ساختگی سے کہہ سکتا ہے تو اُس کے لئے مساوی الاوزان مصرعوں کا انتخاب زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر مساوی الاوزان مصرعوں میں ہائیکو کہنا اپنے تخلیقی مزاج کے بہت قریب محسوس ہوا ہے۔ ۵۔۷۔۵ یا مساوی الاوزان مصرعوں کی ہائیکو نگاری میں مجھے وہی فرق نظر آتا ہے جو آمد اور آورد میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ آورد کے مقابلے میں آمد کی تخلیق کاری میں زیادہ بے ساختگی اور دلکشی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات اور بھی اہم ہے وہ یہ کہ ہائیکو کے لئے اپنی اختصار نویسی کی وجہ سے چھوٹی بحریں ہی زیادہ موزوں ہیں کیونکہ کوزے میں دریا بند کرنے کا جو کمال چھوٹی بحروں میں ہے وہ کمال اور اثر آفرینی بڑی بحروں میں کم کم ہی نظر آئے گی۔ اگرچہ ہائیکو نگاری کی تخلیق کاری کی بحث کرتے ہوئے مَیں نے موضوع، اسلوب اور ہیئت کے سلسلے میں الگ الگ اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے تاہم اپنی مکمل تخلیقی صورت میں ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان تینوں کی ہم آہنگی، ہم رنگی اور یکجائی سے ہی ہائیکو کا وہ مخصوص مزاج تشکیل پاتا ہے جو اسے باقی اصنافِ سخن سے جدا اور متمیز کرتا ہے۔ اور یہ مخصوص مزاج آفاقیت اور پاکستانیت کے اُن دو عناصر سے مملو ہونا چاہیئے جو ہم آہنگ ہو کر یک رنگ ہو جاتے ہیں اور اسی تخصیص

سے ہم پاکستانی ہائیکو کی جاپانی ہائیکو سے الگ پہچان سکتے ہیں۔
انہی معروضات کے ساتھ "صدف ریزے" آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

جمیل ملک
اپریل ۱۹۹۴ء

جو کہیں بھی نظر نہیں آتا
وہ ہے موجود ہر زمانے میں
کعبۂ دل میں چھپ کے بیٹھا ہے

دل کی دھڑکن میں ہے صدائے رسول
اور خدا ساتھ ساتھ رہتا ہے
کون کہتا ہے مَیں اکیلا ہوں!

یوں دل میں اذان ہو رہی ہے
جیسے وہ بُلا رہے ہیں مجھ کو
یہ وقت مری نماز کا ہے

یہ جو بچّے ہیں کل جواں ہوں گے
آرزو کا جواب آنے تک
کتنے دروازے کھٹکھٹائیں گے!

اس طرح تیری یاد کی خوشبو
میرے سارے بدن میں پھیل گئی
جیسے کیاری کوئی مہک اٹھے

زندگی پھول ہے مہکتا ہُوا
کیوں نہ اس کو سنبھال کر رکھ لیں
شاعری کی حسیں کتابوں میں!

ڈوب جائیں غروبِ ماہ کے ساتھ
اور سورج کے ساتھ چلتے ہوئے
ہم بھی اُبھریں افق کے زینے پر

اپنا آغاز اِس کنارے سے
اپنا انجام اُس کنارے پر
درمیاں زندگی کا سیلِ رواں

نقش میرے ہیں سب زمینوں پر
رنگ تیرے ہیں آسمانوں میں
درمیاں پھر یہ فاصلہ کیسا!

زندگی کی یہ شاہراہِ عظیم
ہم سے کہتی ہے آؤ چلتے ہوئے
جھول جائیں ابد کے جھولے میں

چلتے چلتے گزر گئیں صدیاں
راستوں کے غبار سے آخر
کوئی تو شہسوار نکلے گا!

روشنی میں نہا کے نکلیں ہم
مثلِ خورشید نور برسائیں
ہم کو آخر غروب ہونا ہے

شاخ پھولوں کے بوجھ سے لرزاں
بے ثمر اور بے زباں کانٹے
شوخ خوشبو جنم جنم آزاد

مَیں کہ ہوں کائنات کا محور
سوچتا ہوں جمالِ فطرت سے
میرا کتنا قدیم رشتہ ہے!

ان زمینوں پہ آسمانوں پر
نو بہ نو کروٹیں بدلتا ہوں
پھر بھی دل کو سکوں نہیں ملتا

سارے موسم ہی اپنے موسم ہیں
لیکن اِن میں بہار کا موسم
یار اور سازگار موسم ہے

منہ سے بیشک نہ کچھ کہو لیکن
ہر مسافر کے سر پہ ہاتھ رکھو
شجرِ سایہ دار کی صورت

پھر سے آئی ہے رُت گلابوں کی
ساری شاخوں پہ جل اٹھے ہیں چراغ
روشنی میں نہا رہی ہے بہار

روشنی کی تلاش میں نکلیں
یا تو بھر لائیں روشنی دل میں
یا پتنگوں کی طرح جل جائیں

چاند تھا پہلی پہلی راتوں کا
تُو نہ آیا تو چاند کی چُوڑی
تیرے وعدے کی طرح ٹوٹ گئی

ماند ہیں سب گھروں کے آئینے
باغ سارا ہی ان دنوں جیسے
آئینہ گھر ہے شبنمستاں کا

ہم سفر بھی ہے رازدار بھی ہے
مجھ میں ہے اور مجھ سے باہر بھی
میرا ہمزاد ہے کہ سایا ہے!

سوچنا اور سوچتے رہنا
قطرہ قطرہ پگھل پگھل جانا
اپنی دانشوری بھی اِتنی ہے

جب سے تیرے خیال، خواب ہوئے
ہم نے خوابوں سے دوستی کر لی
مستقل ہے وصال کا موسم

اک نہ اک زار کی شراکت میں
گُل کھلاتا رہا پسِ پردہ
راسپوٹین ہر زمانے میں

چیختی ہے ہَوا درختوں پر
زلزلے پل رہے ہیں زیرِ زمیں
آسماں سر پہ پھٹنے والا ہے

چار سُو نیلے آسمانوں پر
غول کے غول شاہبازوں کے
آج تک فاختہ اکیلی ہے

رنگ و آہنگ کا وصال ہے یہ
بولتی ہیں تمام تصویریں
ساری دنیا نگار خانہ ہے

نغمہ یوں شاعری میں ڈھلتا ہے
دھڑکنوں کی زبان میں گھُل کر
جیسے آتی ہے بانسری کی صدا

دل کے اوپر ہیں لاکھ ہنگامے
دل کے گہرے عمیق گوشے میں
آدمی کس قدر اکیلا ہے!

دل میں میلہ ہے آرزوؤں کا
جیسے رنگین، شوخ، آوارہ
مچھلیاں، بے لباس پانی میں

ساری دنیا پہ منکشف ہے مگر
پھر بھی کھُلتا نہیں زمانے پر
زندگی ایک رازِ سربستہ

حدّتِ مہرِ بھر کے سینے میں
اک کرن آفتاب سے نِکلی
اور شب کا حصار توڑ گئی

جس نے لکھّی زمین کی تاریخ
جس نے اوڑھی مسافروں کی تھکن
اُسی برگد کو تم نے کاٹ دیا!

چار درویش کہہ چکے اپنی
ہے مرے پاس پوری سچّائی
مجھ کو کہتے ہیں پانچواں درویش

راہ کے تنگ موڑ پر کب سے
اک اکیلا چراغ جلتا ہے
کتنی روشن ہے اس کی تنہائی!

دنیا بھر کی اچھی چیزیں
بے نام ہی اچھی لگتی ہیں
کیا حُسن کا نام بھی ہوتا ہے؟

بادِ صرصر چلے کہ بادِ نسیم
استقامت پسند کانٹوں کا
ایک ہی رنگ روپ رہتا ہے

ایک انا الحق نے ایک لمحے کو
تا ابد زندگی عطا کر دی
لمحہ کتنا بڑا ہے صدیوں سے!

مسکراتے ہیں شاخ پر دو پھول
جاوداں جذبۂ محبّت سے
پھر مہکنے لگے ہیں "میں" اور "تُو"

دل کو جُھلسا رہی ہے یاد کی لُو
کاش گرما کی دوپہر میں کوئی
ابر آئے برس برس جائے

دیکھو گھر کی بیلوں نے بڑھتے بڑھتے
زخم چھپائے ہیں کیسے دیواروں کے
ہم سے تو یہ گھر کی بیلیں اچھی ہیں

اس نے سب کچھ بھلا دیا پل میں
اپنا مِلنا جُدا جُدا ہونا
جیسے ہو کوئی اتّفاق کی بات

ہم تمھاری تلاش میں نکلیں
تم ہماری تلاش میں نکلو
مِل ہی جائیں گے ہم کہیں نہ کہیں

اکثر اوقات قیمتی چیزیں
گھر میں ہی رکھ کے بھول جاتی ہو
مجھ کو بھی یوں ہی بھول جاؤ گی!

مختصر بات ہو ہی جاتی ہے
جب بھی کہنی ہوں سینکڑوں باتیں
کوئی بھی بات ہو نہیں پاتی

دل بھی کتنا عجب جزیرہ ہے
یوں تو رہتا نہیں کوئی اس میں
پھر بھی آباد ہے چمن کی طرح

منظرِ صبح ، دوپہر اور شام
سارے عمرِ رواں کے ساتھی ہیں
سارے ہی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں

یوں تری یاد جا کے لوٹ آئی
جاتے جاتے بہار کا موسم
جیسے پھر ناگہاں پلٹ آئے

تم نے پتھر کے گھر بنائے ہیں
اتنے سنگین گھر بسانے کو
اس قدر دل کہاؤں سے لاؤ گے!

اور کچھ دیر میرے ہاتھ میں تم
اپنی چاہت کا ہاتھ رہنے دو
کیا خبر کون کب بچھڑ جائے!

ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا ہوں
یہ نہ سمجھو کہ مَیں اکیلا ہوں
ساتھ یادوں کا ایک میلہ ہے

کوئی خوشبو اڑا کے لے جائے
اس سے پہلے کہ ہم بکھر جائیں
پھول بن جائیں سب کو مہکائیں

پھُول تو دُھل گئے ہیں شبنم سے
ایک، ہم ہیں کہ پورا ساون بھی
ہم کو سیراب کر نہیں سکتا

یوں تو میں روبرو ہی رہتا ہوں
میری آنکھوں کے آئینوں میں مگر
کس کی تصویر دیکھتے ہو تم !

مَیں تھا اس کی نگاہ کا کانٹا
خود تو پھولوں کے ساتھ پھول ہُوا
مجھ کو کانٹوں میں اس نے پھینک دیا

شہرتوں کے بھی کیا پجاری ہیں
کُود جاتے ہیں بہتے دریا میں
نقش بر آب بلبلوں کے لئے

آدمی دھوپ میں جُھلستے ہوئے
اور اِدھر زیرِ سایۂ اشجار
تمکنت سے کھڑی ہوئی کاریں

چار سُو رقص ہے محبّت کا
بیچ میں اک الاؤ جلتا ہے
کتنی ٹھنڈک ہے اس الاؤ میں!

شور اتنا ہر ایک ساز میں ہے
سوز سے ساز کا حسیں رشتہ
ریزہ ریزہ ہُوا ہے دل کی طرح

دوستو میرا نام رانجھا ہے
اس لئے بانسری بجاتا ہوں
ہیر ہے بانسری کی تانوں میں

زندگی سے نہ بے سبب اُلجھو
جس سے یہ انتقام لیتی ہے
اُس کی صورت بگاڑ دیتی ہے

برق رفتار زندگی کا چلن
برق کی زد میں آنے والوں کو
ایک پل میں جلا بھی دیتا ہے

مرے بچّے مرے ننّھے فرشتے
تقدّس کی فضاؤں میں اُڑا کر
مِلاتے ہیں مجھے میرے خدا سے

خواب و بیداری کی سرحد پر جمیل
مجھ سے مِلنے روز آتا ہے کوئی
لیکن اپنا نام بتلاتا نہیں

سبھی مکانوں پہ جیسے لِکّھا ہے نام میرا
یہ شہر میرا، مری مسافت کا راز داں ہے
پرانی گلیوں میں آج بھی کتنی روشنی ہے!

تیز رفتار گاڑیاں تھیں رواں
سرخ بتّی نے راستہ روکا
پا پیادہ بھی سرخرو نکلے

شاخ پر ایک کَلی مسکائی
کل یہ پگلی پھول بنے گی
پرسوں دھول میں رل جائے گی

مرتے مرتے بھی تیرے ہونٹوں پر
سچ کی تحریر جگمگاتی ہے
کون دفنا سکا ہے سورج کو!

یوں خلاباز کر رہے ہیں جمیلؔ
چہل قدمی کھُلی فضاؤں میں
جیسے یہ بھی زمیں کا آنگن ہو

تم اگر سچ کی کھوج میں نکلو
راہ سے لوٹ کر نہیں آنا
راستے ہی کا پھول بن جانا

زندگی کے سفر میں کچھ ایسے
راستوں کے اُلجھ گئے دھاگے
جتنا سلجھاؤں اور لُجھتے ہیں

پھیلتی ، بڑھتی اور لپٹتی ہوئی
خونِ دل کا کشید کرتی ہوئی
یہ محبت بھی بیل جیسی ہے

ایک ہے رنگ میرے خون کا رنگ
دوسرا رنگ میری دھرتی کا
دونوں رنگوں سے زندگی کا جمال

ذات اور کائنات کی لہریں
دل میں اک راستہ بناتی ہیں
جو نئی بستیوں کو جاتا ہے

میرے چہرے پہ یہ لکیریں ہیں
وقت نے یا خود اپنے ہاتھوں سے
رہنما راستے بنائے ہیں!

لمحے لمحے کی اوٹ میں دیکھو
وقت کے کتنے قافلے ہیں رواں
اور مَیں سب کا مرکزی کردار

مَیں ہوں بنجر زمین کا بیٹا
ہَل، درانتی، کدال، بیل، ہَوا
رزق لکھتے ہیں میرا پانی پر

میں بھی ہوں ایک لازوال شجر
جس کے پتوں میں روشنی کا جمال
اور چھاؤں میں پیار دھرتی کا

میرے تن میں ہے باس مٹی کی
میرے من میں ہے پیاس بادل سی
مَیں سمجھتا ہوں موسموں کا مزاج

آسمانوں کے چاند تاروں کو
اور زمینوں کے سبزہ زاروں کو
کیوں نہ طشتِ مرادیں بھر لوں!

ذات اور کائنات کا روزن
ایک لمحہ جمیل سا لمحہ
دیکھ لیتا ہوں اس میں کیا کیا کچھ!

اب تو مِلتے ہیں مقبروں پر بھی
کاغذی پھول ، کاغذی گجرے
اب وہ خوشبو کہاں ہے گجروں میں!

فن وہ سورج ہے جس کی تابانی
جتنی تقسیم ہوتی جاتی ہے
اُتنے سورج اُبھرنے لگتے ہیں

رنگوں، روشنیوں کی دنیا
جیسی میرے سینے میں ہے
ویسی باہر کیوں نہیں ملتی!

مَیں ہُوا خود پہ منکشف جب سے
دل کے شیشے میں تیرا چہرہ بھی
مجھ کو اپنا دکھائی دیتا ہے

دل مرا دیوتاؤں کا مسکن
ذہن کا چور ہر گھڑی جس میں
چُھپکے چُھپکے نقب لگاتا ہے

ایک عالم ہے عالمِ تمثیل
ایک عالم ہے عالمِ موجود
اور مَیں رابطہ ہوں دونوں میں

مجھ میں ٹھہراؤ اور حرکت بھی
مجھ میں وحدت بھی اور کثرت بھی
مَیں ہوں انساں کہ دیوتا ہوں میں!

اس بھری زندگی کے میلے میں
دل ہے وہ ایک نکتۂ روشن
جس کی ضو سات آسمانوں پر

ہم نے جو زندگی سے سیکھا ہے
وہ بہت کم ہے اُس خزانے سے
جو دلِ کائنات میں گم ہے

مِلتے رہتے تو اپنے رستے میں
کیوں یہ دیوار سی کھڑی رہتی
جو گرانے سے بھی نہیں گرتی!

شوخ پروانہ شمع کی لو سے
سر ٹپکتا ہے، جاننے کے لئے
موت کے دوسری طرف کیا ہے؟

نامعلوم کو چھونے کی خواہش میں صدیاں بیت گئیں
ہاتھوں کی خاموش لکیریں روشن روشن شہراہیں
جن میں گم اسرار کے دیپک جگمگ جگمگ جلتے ہیں

مجھ میں ہے نظم کی اکائی بھی
ریزہ ریزہ بھی ہوں غزل کی طرح
کتنی وحدت ہے میری کثرت میں!

اندر کی آواز سنوں یا باہر کی جانب دیکھوں
حس سماعت حسِ بصارت ظاہر و باطن کے دو روپ
جنم جنم سے دونوں مجھ کو اپنے پاس بلاتے ہیں

یوں تو تُو ہیر اور مَیں رانجھا
لیکن اپنے جدید گاؤں میں
ہیر رانجھے سی کوئی بات بھی ہے!

باہر شور قیامت جیسا
میرے اندر سُکھ کا گاؤں
یہ مسمار نہیں ہو سکتا

یوں دل کی اُجڑی دھرتی سے
تیری یاد کا اکھوہ پھُوٹا
جیسے چاند ہو پہلی شب کا

تیرا سیّال حُسن آنکھوں کی
چلمنوں میں کہاں سماتا ہے؟
دل کے روزن سے دیکھتا ہوں تجھے

مَیں اگر دھول بھی ہو جاؤں جمیؔل
میری بالیں پہ سرِ شاخِ گلاب
اک نہ اک پھول مہکتا ہو گا

دل بھی خالی مکان جیسا ہے
جس میں یادوں کے بے زباں پنچھی
جوگیوں کی طرح سے رہتے ہیں

تخت پہ راجہ گدھ بیٹھا ہے
لہو لہان ہیں بھولے پنچھی
راجہ کا انصاف یہی ہے

سبز تھا رنگ اپنی دھرتی کا
ہم نے طوطے بھی سبز پالے تھے
سب کے سب کتنے بے وفا نکلے!

دیکھ بگلے بھگت کی چلّہ کشی
رات دن کتنے انہماک کے ساتھ
مچھلیوں کا شکار کرتا ہے!

آسماں ایک گنبدِ بے در
اور دعائیں کبوتروں کی طرح
کھولتی جا رہی ہے در کتنے!

رات کے بیکراں اندھیرے میں
جب کوئی رہنما نہیں مِلتا
جگنوؤں کو تلاش کرتا ہوں

لو محبت کی ہو گئی تکمیل
آدمی چاند پر نہیں اترا
چاند پر اک چکور بیٹھا ہے

یوں تو فریاد بھی ہے لاحاصل
بعض اوقات ایک سسکی بھی
جبر کا سحر توڑ دیتی ہے

روز ہم کھودتے ہیں ایک کنواں
پھر بھی ہے انت آرزؤوں کی
پیاس کیا جانے کیوں نہیں بجھتی!

یوں تو سارے درخت اچھے ہیں
جو ہے جتنا جڑوں سے وابستہ
وہ شجر اُتنا خوبصورت ہے

جب بھی کوئی رُت بدلے تو
اور بھی زخم ہرے ہوتے ہیں
شعر میں خوشبو جاگ اٹھتی ہے

میں روایت ہوں اپنی دھرتی کی
تہہ بہ تہہ جو جڑوں میں رہتی ہے
شاخ پر جب کھلوں تو جدت ہوں

جب شعاعیں مرے تحیّر کی
ذہن و دل میں نفوذ کرتی ہیں
کتنے امکاں اُبھرنے لگتے ہیں!

ہے یہی میرا علم موسیقی
روح کو دردآشنا کر کے
لفظ میں سُر تلاش کرتا ہوں

رقص، اعضا کی شاعری ہی سہی
رقص، روح مصوّری بھی تو ہے
جس میں بھرتی ہے رنگ، موسیقی

جیسے پھیلے ہوئے پہاڑوں میں
جا کے آواز لوٹ آتی ہے
ایک دن مَیں بھی لوٹ آؤں گا

رات بھر آسماں کے گنبد میں
اس طرح گونجتی ہے دل کی صدا
کوئی کہتا ہے آ رہا ہوں مَیں

مَیں تو عورت بھی اور ماں بھی ہوں
مجھ کو ہر دور کے جواری نے
کیا سمجھ کر جوئے میں ہار دیا!

وہ جو آہنگ کائنات میں ہے
ہے وہی شاعروں کے سینے میں
رنگ لیکن جدا جدا سب کا

پیکر و شعر و رنگ و موسیقی
میری تہذیب ہی کا سرمایہ
جس سے سب زندگی ہے پرمایہ

آنکھ کے راستے اگر دل میں
تُو کرن کی طرح نہیں اُترا
کون تجھ کو جمیلؔ مانے گا!

تُو مری کائنات ہے جس میں
ہے تنوّع بھی اور وسعت بھی
اور گہرائی بھی مرے دل کی

مَیں ہوں اک پیڑ اور تُو سایہ
ہم محبّت کی ہیں پنہ گاہیں
اپنی تخلیق ساتھ ساتھ ہوئی

اِس طرف میں ہوں اُس طرف تُو ہے
جیسے دو آئینے مقابل ہوں
درمیاں عکس عکس ہے دنیا

استعارہ مری محبّت کا
پھیلتا جا رہا ہے قوس بہ قوس
کتنی سمتوں میں اور رنگوں میں!

وادیوں میں ہے دھند پھیلی ہوئی
میرے اندر کی روشنی جس میں
اپنا رستہ تلاش کرتی ہے

بارشوں ، خوشبوؤں ، ہواؤں میں
مرے محبوب کے سندیسے ہیں
ہجر میں ہے وصال کا جادو

تُو ہے خوشبو کا دلربا جھونکا
اور میں پھول کا جواں لہجہ
ہم جدا بھی ہیں ساتھ بھی ہیں

ایک 'کُن' سے یہ کائنات بنی
ایک 'کُن' اور کہہ کہ دنیا سے
جبر کا اختیار مِٹ جائے

ذہنِ شاعر بھی کوزہ گر ہے کوئی
لفظ کو دل کے چاک پر رکھ کر
کتنے پیکر تراش لیتا ہے!

میں نے لفظوں سے استعاروں سے
اَن کہی کو کہی میں ڈھال دیا
فن کی اپنی زباں بھی ہوتی ہے

تُو نے لفظوں سے کھیلنا سیکھا
مَیں نے لفظوں کو زندگی دے کر
قیمتِ زندگی ادا کر دی

جسم میرا اگر ہے رانجھےؔ سا
روح تو میری ہیرؔ جیسی ہے
روح اور جسم کا وصال تو دیکھ!

رُوح تیری ہے میرؔا بائی سی
قرۃ العین طاہرہ سی زباں
تجھ کو کہتے ہیں امرتا پریتم

روز لُٹتا ہے زندگی کا سہاگ
کیوں ہوس نے تمام دنیا کو
قحبہ خانہ بنا کے چھوڑ دیا!

چھوٹی چھوٹی مسرتوں کے لئے
اپنی پہچان بھی گنوا بیٹھے
نفع سمجھے ہیں ہم خسارے کو

آئینہ ہی رقیب تھا اپنا
اس کا دل بھی تھا کوئی پتھر کا
تیرا میرا وصال کیا ہوتا!

جب کلی کھل کے مسکراتی ہے
طنز کی رمز پانے والوں کو
زندگی زہر خند لگتی ہے

چھت پہ بارش کا شور ہے لیکن
شور یوں میرے دل سے اٹھتا ہے
جیسے ساون ہو تیری چاہت کا

انگلیاں زخم زخم ہیں تیری
بھوک کی سوئیاں یہ کہتی ہیں
پھول ہیں یہ کشیدہ کاری کے

ایک بخیہ اگر اُدھڑ جائے
دوسرا خود بخود اُدھڑتا ہے
زندگی یوں ہی بیت جاتی ہے

کس قدر خامشی ہے گلیوں میں
پیار سے چھیڑتے تھے سب جس کو
اب وہ پاگل نظر نہیں آتا

یاد کاغذ کی ناؤ ہے گویا
دل کے دریا سے جو اُبھرتی ہے
اور آنکھوں میں ڈوب جاتی ہے

چاند ڈوبا تو مَیں نے اُس سے کہا
اب تو جاتے ہو شام ہوتے ہی
پہلے تارے کے ساتھ لوٹ آنا

شاخ سے ٹوٹ کر گِرا پتّہ
زندگی شاخ سے ہے وابستہ
ایک پتّے نے داستاں کہہ دی

صبح کے آخری ستارے نے
ایسے کھولا افق کا دروازہ
روشنی کی پھوار پھوٹ پڑی

ہر ستارے کی آنکھ سے آنسو
قطرہ قطرہ تمام رات گرے
دُھل کے نکلی عروسِ صبحِ چمن

چلتے چلتے سارے رستے
یوں آپس میں مل جاتے ہیں
سمت کا فرق بھی مِٹ جاتا ہے

گورے کالے کے دستِ محنت نے
کیسا روغن کیا ہے چہروں پر
ساری شکلیں ہی ایک جیسی ہیں

یوں فضا میں پتنگ اڑتے ہیں
تتلیاں جیسے میرے خوابوں کی
رنگ سارے چرا کے اڑ جائیں

دور پردیس جانے والے کو
اور تو سب ہی بھول بیٹھے تھے
ایک بس ماں نے انتظار کیا

ایسے تسکیں کی کھوج میں نکلے
سارے جذبوں سے ہو گئے محروم
اب جو دیکھا تو پاس کچھ بھی نہیں

دیکھ چہروں پہ جھرّیوں کا سفر
کس طرح کاروانِ ہستی نے
پُرسکوں راستے بنائے ہیں

جس طرف سے بھی چاند کو دیکھو
چاند کی روشنی نہ کم ہو گی
تم جہاں بھی ہو چاند بن کے رہو

کشتیاں چاند اور تاروں کی
تیرتی جا رہی ہیں سوئے ابد
آسماں بھی تو اک سمندر ہے

شہر سارا جل رہا ہے سامنے
اور میں بھاگا ہُوا قیدی کوئی
کیا کروں جائے پنہ کوئی نہیں

تم اپنی تھکن کو رو رہے ہو
وہ بھی تو تھکے ہوئے ہیں جن کو
فٹ پاتھ پہ نیند آگئی ہے

ہے اُن کے دلوں میں گھُپ اندھیرا
مرمر سے حسین پیکروں کو
شوکیس میں جو سجا رہے ہیں

شہرت دولت اور محبّت
یوں تو ہم آواز ہیں کتنے
لیکن ان میں فرق ہے کتنا!

دل میں گولی لگی سپاہی کو
اور رسنے لگا فضاؤں میں
ایک معصوم فاختہ کا لہو

زندگی ایک جاوداں نغمہ
اور ہر شخص گوش بر آواز
دل میں اک آبشار بہتی ہے

پر نکلتے ہی کتنے پروانے
ناگہاں روشنی پہ ٹوٹ گرے
آگ اندر کی تھی کہ باہر کی!

ایک قطرے میں بھی سمندر ہے
قطرہ خالی اگر ہو اندر سے
بے حقیقت ہے بُلبلے کی طرح

سیمگوں چاند اور تارے میں
فاصلہ ہے تو اس قدر جتنا
فاصلہ تیرے میرے گھر کا ہے

ان کہی بات بھی کبھی دل سے
جلتے سگریٹ کے کش میں ڈھلتی ہوئی
اک دھوئیں کی طرح نکلتی ہے

کوئی روبوٹ ہے مرے اندر
روز کے کام اک تسلسل سے
آپ ہی آپ کرتا رہتا ہے

مسکراہٹ بھی اُس کے چہرے پر
اس تکلّف کے ساتھ آتی ہے
جیسے وہ دان دے رہا ہو کوئی

ایک بچّہ ہے میرے اندر بھی
کھیلتا ہے شریر بچّوں سے
غم سے آزاد زندگی کے لئے

تجھ کو خورشید جاں کہوں تو مجھے
اک عجب روشنی سی ملتی ہے
راستے جگمگانے لگتے ہیں

دو کناروں پہ دو اجنبی
درمیاں اک محبت کا پُل
استعارہ شناسائی کا

جڑوں سے وابستگی ہے جس کی
ہے فخر سے سر بلند اس کا
درخت وہ بے ثمر نہیں ہے

تمنّا کی کلیاں چٹکتی ہوئیں
تمنّا کے چہرے پہ فردا کے پھول
تمنّا وہ امکان کی شاخ ہے

فراق و وصل ہیں دو زاویے محبت کے
اگر جواں ہے تمنا تو ہجر میں بھی وصال
نہیں تو وصل بھی ہے کارِ خود فراموشی

بس طے کر چکا ہفت خوانِ محبت
مگر پھر بھی کہتی ہے مجھ سے مسافت
مسافر تو کیوں راستے میں کھڑا ہے!

دوست احباب ساتھ چھوڑ گئے
ہاں مگر ایک برگِ آوارہ
مجھ سے کہتا ہے تیرے ساتھ ہوں میں

پیار کی راہ پہ چلتے جاؤ
اک پل بھی مُڑ کر دیکھا تو
تم پتھر کے ہو جاؤ گے

محبت سارے جذبوں سے انوکھی
محبت روح کی تازہ غذا ہے
مگر یہ پیٹ روٹی مانگتا ہے

میری یہ دانش بھلا کس کام کی
مجھ میں اتنی بھی اگر طاقت نہیں
اپنا حق اپنی محبت مانگ لوں!

میرِ لشکر ہی ہار جائے اگر
المیہ تو یہی ہے ہار اس کی
ہر سپاہی کی ہار ہوتی ہے

وقت سیّال محبّت کی طرح
ایک انداز سے چلتا ہی نہیں
تیری تمثیل میں ڈھلتا ہی نہیں

تجھ کو ڈھونڈوں کہاں کہاں پاؤں
اپنی ہی آگ سے پگھلتے ہوئے
وقت کے رنگ دیکھتا جاؤں

مُہر لگ جائے ذہن و دل پہ اگر
دیکھ کر بھی نظر نہیں آتا
کان سُن کر بھی کچھ نہیں سُنتے

صداقت حسن عالم ہے
مگر ہے اس کی قسمت میں
ہمیشہ زہر کا پیالہ

محبّت جوہرِ ہستی
محبّت رمزِ فطرت ہے
محبت مر نہیں سکتی

علامت، پھول ہے ایسا
کہ جو دل پر تو لگتا ہے
مگر زخمی نہیں کرتا

ہاتھ کی ساری لکیریں بے ثمر
اپنے قدموں سے کُھلیں گے راستے
قسمتوں کے زائچوں میں کچھ نہیں

ساری دنیا کو جیتنے والے
موت کے سامنے ٹھہر نہ سکے
بھوک سے اپنی جنگ ہار گئے

اس نے دیکھا جب محبّت سے جمیلؔ
روشنی کا اک جزیرہ بن گیا
اس جزیرے ہی میں اب رہتا ہوں میں

زر کی چاہت ہیں جینے والوں کو
ایک روشن جمال سورج بھی
کوئی سونے کا تھال لگتا ہے

جب بھی بے فکر نوجوانوں کے
قہقہے گونجتے ہیں گلیوں میں
میرا ماضی بھی لوٹ آتا ہے

جب دشمن پیچھا کرتے ہیں
سچ کے غارِ ثور سے باہر
مکڑی جالا تن دیتی ہے

ذہن کے نرم نرم ریشوں میں
پرورش پا رہا ہے ایک خیال
تجھ سے کم تو نہیں ہے اس کا جمال!

سورج چاند ستارے جگنو
سب کچھ اپنے پاس ہے لیکن
پھر بھی کتنی تاریکی ہے!

چاند ہے یا ہے کوئی لاوارث
بھاگتا پھر رہا ہے صدیوں سے
جیسے خورشید ہو تعاقب میں

وہاں کلیاں چہکتی ہیں وہاں آنگن مہکتا ہے
وہاں چاروں طرف جنت کا بے پایاں تقدس ہے
سکوں سے مائیں بہنیں بیٹیاں جس گھر میں رہتی ہیں

دستِ جاروب کش کثافت میں
تو لطافت کا آئینہ بردار
کون کس سے بڑا ہے تو ہی بتا!

خار ہیں شاخ شاخ میں پیوست
پھول چہرہ نما ہیں شاخوں پر
زندگی پھول بھی ہے کانٹا بھی

آدمی ایک نکتۂ پرکار
سردی، گرمی، بہار اور خزاں
دائرہ سا بنا کے چلتی ہے

باغ میں کھیلتے ہوئے بچّے
بے ریا بے نیاز ہیں کتنے
یہ بھی کتنی عجب خدائی ہے!

اپنے فن پر نہیں غرور مجھے
ایسے لفظوں کا دے شعور مجھے
جن سے بابِ نجات کُھلتا ہو

زندگی کی بساط پھیلی ہوئی
سب کے ہاتھوں میں تاش کے پتّے
جیسے انساں نہیں جواری ہیں

چاند ازل سے یوں آوارہ
جیسے اک لاوارث بچّہ
کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈ رہا ہو

زندگی کے تمام رستوں میں
اپنا رستہ تلاش کرنا ہی
ایک انمول کارنامہ ہے

گدلے پانی بھی صاف تھے پہلے
اپنی آلائشوں کا ملبہ ہے
اب جو اِن پانیوں میں بہتا ہے

چاروں جانب سے سرزمینوں کو
گھیر رکھا ہے آسمانوں نے
راستہ ہے کوئی رہائی کا!

صبح سویرے دیکھتا ہوں میں
آئینے میں اپنی صورت
فطرت میرا آئینہ ہے

دور بچپن میں لوٹ جاتا ہوں
دل میں اٹھتی ہیں ان گنت لہریں
جب ہَوا سیٹیاں بجاتی ہے

وہ نمی ہے خنک ہواؤں میں
لُو سے جُھلسے ہوئے مساموں میں
ایک ٹھنڈک سی پڑتی جاتی ہے

جب بھی موسم بدلنے لگتا ہے
مجھ کو کھلتے ہوئے گلابوں سے
تیرے پیکر کی آنچ آتی ہے

یہ مری سانس آتی جاتی ہوئی
وہ ہوا کی لطیف ڈوری ہے
ماورا تک رسائی ہے جس کی

پہلی بارش کے چھینٹوں سے
دھرتی سے جو خوشبو ابھرے
روح کو تازہ کرتی جائے

چاند یُوں کتنا دور ہے مجھ سے
پھر بھی یہ کتنا پاس لگتا ہے
جیسے تم دور بھی ہو پاس بھی ہو

جب بھی سورج غروب ہوتا ہے
اور پنچھی گھروں کو جاتے ہیں
روح کتنی اداس ہوتی ہے!

وہ لمحہ بھی کیا لمحہ ہے
جب ماں کو بیٹے میں، اپنی
تصویر دکھائی دیتی ہے

پھولوں کی شاخوں کے پیچھے
تیرا نکھرا نکھرا چہرہ
تازہ گلدستہ لگتا ہے!

میں بھی اتنی بلندیوں پہ اُڑوں
کہ جہاں سے زمین پیاری زمیں
ایک تارا دکھائی دیتی ہے

سلسلہ سلسلہ ہے یاد تری
در و دیوارِ جاں سے لپٹی ہوئی
عشقِ پیچاں کی بیل ہو جیسے

جہانِ کہنہ بھی ہم نے دیکھا
اب اپنی آنکھوں کے آئینوں میں
جہانِ نو بھی چمک رہا ہے

کبھی چھاؤں گھنی ہے پیڑوں کی
کبھی آنگن میں دھوپ اترتی ہے
زندگی کھیل دھوپ چھاؤں کا

مرا جواز تو موجود ہے مرے اندر
یہ بات جوہرِ تخلیق سے ہے تابندہ
کہ زندگی ہی تو سب سے عظیم تحفہ ہے

تیتری جب پروں کو کھولتی ہے
ایسا لگتا ہے جیسے خوشبو سے
پھول کا بند بند کُھل جائے

بوڑھے ماں باپ اور جواں بہنیں
کیا غضب ہے کہ ہم نے رشتوں کو
کوئی کلیشے سمجھ کے چھوڑ دیا!

تیرا چہرہ بھی ہے کتاب نما
خوبصورت کتابِ ہستی بھی
تجھ کو دیکھوں کہ یہ کتاب پڑھوں!

تجھ میں میرا دل اٹکا ہے
تجھ پر بَن آئی تو پیارے
میری جان نِکل جائے گی

تیری محبت اک دریا ہے
یوں لگتا ہے میرے دل میں
دریا موجیں مار رہا ہے

پیار کی اس بانسری کے سات سُر
بولتا ہے ان میں جب رانجھے کا دل
ہیر سے کہتا ہے آ، آ مجھ سے مِل

چودھویں کا چاند مشرق سے ابھرتا ہے اُدھر
اور ادھر مغرب میں تارا سوچتا ہے رات بھر
صبح تک تو فاصلہ کچھ اور بھی بڑھ جائے گا

یہ سفر چاند اور تارے کا
یوں ہے جیسے ہمیں بھی ان کی طرح
صبح تک ساتھ ساتھ چلنا ہے

دل کو معراج جب نصیب ہوئی
طے ہوا آنکھ کے جھپکتے ہی
ذات سے کائنات تک کا سفر

بے ہنر، بے ثمر زمینوں کو
خونِ تازہ سے سینچنا ہو گا
خشک پیڑوں پہ پھل نہیں لگتے

وہ چھینا جھپٹی ہے جیسے
کٹی پتنگ کو لوٹنے والے
بچے آپس میں لڑتے ہیں

چاند تو میں نہ بن سکا لیکن
مجھ کو جگنو کی روشنی دے کر
اک ستارا بنا دیا تو نے

کتنی صدیاں گزر گئیں لیکن
جسم کے ذائقے وہی ہیں ابھی
اک محبت کے ذائقے کے سوا

تم ہی رستہ ہو تم ہی منزل ہو
خضر کو کیوں تلاش کرتے ہو
جو بھی کچھ ہے تمہارے اندر ہے

یخ بستہ انسانوں سے تم
پیار کا رستہ پوچھ رہے ہو
زر کے پُتلے کیا بولیں گے!

جب بھی تم کو پکارتا ہوں میں
میری آواز لوٹ آتی ہے
تم کہیں بھی نظر نہیں آتے

میرے اوپر بھی آسمان کی چھت
اور نیچے بھی چار دیواری
کون کھولے افق کا دروازہ!

تم نے صحرا تو بہت چھان لئے
تم کبھی یہ بھی تو دیکھو آ کر
بستیوں میں ہیں خرابے کتنے!

تم جس کو جمود کہہ رہے ہو
مایوس ہو جس گھڑی سے اتنے
وہ وقت تو اجتہاد کا ہے

کتنی آوازیں میرے اندر ہیں
وقت کے بیکراں سمندر میں
لہر در لہر بن کے چلتی ہیں

زندگی آگ بھی ہے پانی بھی
وقت اقدار کی کہانی ہے
مَیں کہانی کا مرکزی کردار

موت اک بار تو نہیں آتی
جاں نکلتی ہے ہر گناہ کے ساتھ
آدمی بار بار مرتا ہے

پھولوں کا چمن میں مسکرانا
پتّوں کا بکھر کے رقص کرنا
اظہار کی ساری صورتیں ہیں

جب کوئی بہار کا پرندہ
وجدان کی شاخ چھو کے چہکے
تخلیق چٹک چٹک کے مہکے

اُس شخص کا المیہ تو دیکھو
انساں کو شناخت کرتے کرتے
جو اپنی شناخت بھول جائے

وقت کے سارے دلربا موسم
ایک وحدت میں ہیں سموئے ہوئے
جس سے ہم نے خدا کو پہچانا

حسن کی چہرہ نمائی کے لئے
آئینے کچھ اور صیقل ہو گئے
زیست کتنی خوبصورت ہو گئی!

پھول شاخوں سے جھڑ گئے سارے
پیڑ پتّوں سے ہو گئے خالی
زندگی! یوں نہ ہو برہنہ بدن

آدمی چلتی پھرتی لاشیں ہیں
گنگ ہیں کب سے بستیاں ساری
جیسے قبروں کی چار دیواری

بند ہیں کب سے پیار جھروکے
جانے والے ساتھ ہی اپنے
لے گئے اپنی یادیں ساری

جان پر کھیلنا مذاق نہیں
قافلے خاک وخون سے گزرے
تو ملا مرتبہ شہادت کا

بعض لمحے عجیب ہوتے ہیں
اَن کہی بات بھی کہی کی طرح
تیر سی جا کے دل میں لگتی ہے

کتنے جذبے ہیں دل میں ایسے بھی
لفظ جن کو ادا نہیں کرتے
مسکراہٹ بیان کرتی ہے

چڑھتی دھوپ اُتر جاتی ہے
شام کے سائے ڈھل جاتے ہیں
لیکن فن زندہ رہتا ہے

پیڑ کو پتھر مارنے والے
پھل سے دامن بھر لیتے ہیں
پیڑ کو زخمی کر دیتے ہیں

پیار کی لاکھوں تفسیریں ہیں
لیکن ماں کے پیار سے بڑھ کر
اور تو کوئی چیز نہیں ہے

میں تو نیند کا متوالا ہوں
لیکن اپنی چہکاروں سے
چڑیاں روز جگا جاتی ہیں

رقص کے بھید اور بھاؤ بتا کر
مَیں تو پھر انساں ہوں اس نے
دیوتاؤں کو لُوٹ لیا ہے

گزرے موسم پلٹ بھی آتے ہیں
لوٹ آتے ہیں جانے والے بھی
عمرِ رفتہ مگر نہیں آتی

بے حِس انسانوں کا لشکر
دشمن سے کیا جنگ کرے گا
اپنے آپ سے ہار گیا ہے

زندگی کی تلاش میں کتنے
ہم سفر اپنی جان ہار گئے
تم بھی جینے کا تجربہ کر لو

سردیوں میں چھت کے اوپر پھیلی پھیلی چاندنی
اور مرے کمرے کے اندر ہلکی ہلکی روشنی
چاندنی کا عکس ہے یا تیرا لو دیتا بدن

ایک سے ایک ہے نیا ہتھیار
بڑھتے آتے ہیں جنگ کے بادل
امن کی فاختہ اکیلی ہے

سارا گھر بارود سے پُر ہے
جانے کب لاوا پھٹ جائے
سارا گھر بھک سے اڑ جائے

فٹ پاتھ تھا جس کا سخت بستر
کل رات وہ شخص سوتے سوتے
سردی سے ٹھٹھر کے مر گیا ہے

سمندروں کا سفر اور میں ہوں تن تنہا
ہے ایک خوف بھی رستے میں ڈوب جانے کا
تلاش بھی ہے مگر دوسرے کنارے کی

کب سے دھرتی بانجھ پڑی ہے
کب امید کا انکھوہ پھوٹے
جانے کب یہ کوکھ ہری ہو!

کیسے کیسے پھول کِھلے ہیں
دنیا بھر کے پیارے موسم
میرے اندر آن مِلے ہیں

جب بھی آتا ہے محبت کا خیال
پھول کِھلتے ہی چلے جاتے ہیں
پھیل جاتی ہے غزل کی خوشبو

کب سے میرے ہونٹوں پر ہے
آنے والی کل کی بشارت
لیکن وہ کل کب آئے گی!

ہر لفظ کی اپنی اپنی تاریخ
ہے منہ میں زبان ایک لیکن
ہر بات کا ذائقہ جدا ہے

یہ اک ذرّہ کہ انساں تھا
یہ اپنی بے حجابی سے
اچانک بن گیا سورج

گھپ اندھیرے میں روشنی کی لکیر
اس طرح روح میں اُتر آئی
جیسے سُن لی مری دعا تو نے

زندگی سے بچھڑنے والے کبھی
خواب میں اس طرح سے آتے ہیں
جیسے زندہ ہوں پاس بیٹھے ہوں

لفظ بھی ایک صدا ہے لیکن
دل پہ اُس وقت اثر کرتی ہے
ساز جب روح کا نغمہ چھیڑے

تنہائی میں جتنا دکھ ہے
شعر میں جب رَچ بس جائے تو
آنکھ کا سرچشمہ بن جائے

بادلوں میں تھا چاند کا چہرہ
اور بھی آس پاس کوئی نہ تھا
میں نے چپکے سے اس کو چوم لیا

زندگی خواہشوں کا میلہ ہے
کتنے انجان، اجنبی راہی
لٹتے رہتے ہیں روز میلے میں!

جنگلوں کی حسین شہزادی
کیوں تجھے دیکھ کر یہ دل جوگی
اپنا بن باس بھول جاتا ہے!

یوں سمٹ کر تو میرے پہلو میں
فاختہ کی طرح سے بیٹھی ہے
جیسے میں تیرا آشیانہ ہوں

میں زمیں کا اصیل بیٹا ہوں
کیوں زمانہ کٹھور سوتیلے
باپ کا سا سلوک کرتا ہے!

کہیں دنیا کی نائیکہ کے فریب
کہیں رشتوں کی یخ ہوائیں ہیں
ہر طرف کتنا سرد موسم ہے!

جھیل میں تیرتا ہُوا یہ کنول
ایک گہرے سکوں سے ہم آغوش
کوئی جوگی دکھائی دیتا ہے

پھول کو ہاتھ کیا لگا بیٹھا
پتّی پتّی بکھر گئی گُل کی
ہو گیا دل لہو لہو میرا

زندگی پھول بھی ہے پتھر بھی
بوجھ بھی اس کا میرے سینے پر
اور خوشبو بھی میری سانسوں میں

زندگی بھی عجب کہانی ہے
موت ہر بار ختم کرتی ہے
یہ مگر ختم ہی نہیں ہوتی

تم سارے جہاں پہ حکمراں ہو
ہر شے پہ گرفت ہے تمھاری
لمحے کو پکڑ سکو تو جانیں!

فاختہ کے سینے میں
دل ہے ایک بچّی کا
امن۔ خواب دونوں کا

فن میں خوشبو ہے تازہ پھولوں کی
اس کو محسوس کر تو سکتے ہیں
اس کو چھو کر گزر نہیں سکتے

گُل ہے اک شعرِ حسنِ فطرت کا
جس میں فنکار کا لہو ہے رواں
گُل کی تخلیق کتنی مشکل ہے!

سب نے دیکھا جمال پھولوں کا
جس نے لکھے تمام شہ پارے
لوگ اس کا کمال بھول گئے

سانس کی دھار پہ تم چلتے ہو
شاخِ گل جس کو سمجھ بیٹھے ہو
وہ تمھیں قتل بھی کر سکتی ہے

شام کا منظر ، غروبِ آفتاب
جھیل کا پانی عنابی ہو گیا
مجھ کو یاد آئی حنا بندی تری

یہ تو آوازِ دوست ہے شاید
نغمہ و رنگ و نور میں ڈھل کر
میرے دل میں اُترتی جاتی ہے

تم تو عکس ہی دیکھتے ہو
ریزہ ریزہ چُنتا ہوں میں
تو آئینہ بنتا ہے

کتنے اُونچے درخت ہیں لیکن
ان کا سایہ بھی ہے تہی آغوش
دوسروں کو بھی کچھ نہیں دیتے

یہ کیا اعجاز ہے تیری نظر کا
تری آنکھوں میں کیسی روشنی ہے
اندھیرے کو بھی آنکھیں مِل گئی ہیں!

ایک لڑکی نے خودکشی کر لی
آج تک یہ نہ ہو سکا معلوم
کون تھا اس کو لُوٹنے والا!

عجب لہریں سی اُٹھتی ہیں شب و روز
مجھے محسوس ہوتا ہے یہ اکثر
مرے دل میں سمندر جاگتے ہیں

دل لڑکپن سے ہے تعاقب میں
آرزو بھی تو کوئی تتلی ہے
مرغزاروں میں اُڑتی پھرتی ہے

ترے سنجوگ کا موسم عجب ہے
پرندے سب سجیلے موسموں کے
مرے دل کے چمن میں آ ملے ہیں

میری چاہت سے ارغواں چہرہ
جسم خوشبو میں ہے نہایا ہُوا
تُو سراپا گلاب کی تصویر

عمر بھر آرزو رہی میری
جتنا لوگوں سے پیار کرتا ہوں
لوگ بھی مجھ سے اتنا پیار کریں

تو بہت دور ہو چکا ہے مگر
آج بھی مجھ کو ایسا لگتا ہے
تیرا سایہ یہیں کھڑا ہے ابھی

تیرا سایہ مرے وجود میں ہے
تو مرے پاس جب نہیں ہوتا
اس سے ہوتی ہے گفتگو میری

جب بھی آتی ہیں چاندنی راتیں
چاند میں تو دکھائی دیتا ہے
خوب ہوتی ہیں پھر ملاقاتیں

دل ہی اک رازدار ہے ایسا
جو وفادار بھی ہے یار بھی ہے
جس سے ہوتی ہیں اَن کہی باتیں

مرے باہر اندھیرا بھی بہت ہے
مگر میں بے خطر ہوں تیرگی سے
کہ اندر روشنی بھی کم نہیں ہے

اُفق پر بچھ گئی کرنوں کی چادر
دبے پاؤں اندھیرے کو سمیٹے
وہ دیکھو رات رُخصت ہو رہی ہے

بہت سوئے رہے ہو رات بھر تم
مسافر کُوچ کرتے جا رہے ہیں
اُجالا ہوگیا ہے اب تو جاگو

یہ حسیں پتّیاں ہیں پھولوں کی
یا ہیں اوراقِ حُسنِ فطرت کے
کیوں نہ مَیں بڑھ کے چوم لُوں ان کو!

اور عرفاں کا راستہ ہی نہ تھا
مَیں نے اپنے جمیلؔ رانجھن کو
روح میں رکھ لیا خدا کی طرح

چار دیواری ہے زنداں کی بلند
پھر بھی یہ جذبے ہیں میرے بال و پر
اک پرندے کی طرح اُڑتا ہوں میں

ہُوا ہوں کب جدا تجھ سے مری جاں
مرا بیٹا تو تیری گود میں ہے
مَیں اپنے گھر میں واپس آ گیا ہوں

وہاں چراغ جلاؤ جہاں اندھیرا ہو
وہ جس کے گھر میں محبّت کا چاند روشن ہے
اُسے چراغ جلانے کی کیا ضرورت ہے

شعبدہ گر ہے زندگی بھی بہت
موت بھی شعبدے دکھاتی ہے
بار ہا آ کے لوٹ جاتی ہے

گو اکائی بکھر گئی اپنی
وقت نے ہم کو توڑ پھوڑ دیا
اپنی چاہت تو غیر فانی ہے

ہے مرے ذہن میں اک خاکہ سا
تم مرے سامنے آ کر بیٹھو
میری تصویر مکمل کر دو

مٹی کو میں کیسے بھول جاؤں
مٹی سے جنم لیا تھا میں نے
مٹی ہی مرا لباس بھی ہے

چاروں رستے جمیں اگر نہ کھلیں
کھول کر اپنے دل کا دروازہ
پانچویں سمت میں سفر کرنا

پھول سارے کچل دیئے تو نے
بے وفائی تو کی تھی دنیا نے
اس میں پھولوں کا تو قصور نہ تھا

یہ تو ہیں پھول ایک موسم کے
ایسے پھولوں سے پیار کیا کرنا
جن کی خوشبو بھی اڑنے والی ہو

کیسے کیسے تھے خواب میرے بھی
چاندنی رات، باغ مَیں اور تُو
اک گہن کھا گیا مگر سب کو

ایک ہی جست میں سرِ افلاک
اُڑ کے جانے کا شوق ہے جن کو
اُن کا گِرنا بھی تُو نے دیکھا ہے!

آج یوں چھو کے وہ مجھے گزرا
جیسے کوئی نسیم کا جھونکا
جسم خوشبو میں ڈھل گیا میرا

جتنے تارے ہیں اتنی آنکھیں ہیں
رات بھر تیری کائنات کو میں
کتنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہوں!

جب بھی ملتی ہے مجھ کو تنہائی
یوں تجھے بار بار پڑھتا ہوں
تُو ہی میری کتاب ہو جیسے

ہر نئے سال اور مہینے میں
کتنے دن تیرے پاس ہوتے ہیں
ایک دن میرے پاس بھی آ جا

ساری دنیا کو چھوڑ کر میں نے
جس کی خاطر جنم کا جوگ لیا
وہ تو رستہ ہی میرا بھول گیا

مجھ سے روٹھا تو اپنے ساتھ ہی وہ
لے گیا اپنے سارے تحفے بھی
ایک دل میرے پاس چھوڑ گیا

فاختہ نغمہ خواں ہے صدیوں سے
کتنے جھلسے ہوئے درختوں پر
چھوڑ جاتی ہے امن کی شبنم!

مَیں وہ منزل نما مسافر ہوں
جس کے قدموں کی چاپ سے اکثر
سونی راہیں بھی جاگ اٹھتی ہیں

مانگے تانگے کی روشنی سے جمیل
شہر سب جگمگا تو سکتے ہیں
دل کی تاریکیاں نہیں جاتیں

رات کی بے پناہ سیاہ سے بھی
وہ کبھی مات کھا نہیں سکتا
جس کے دل کا چراغ روشن ہے

ایک پل میں جھلک جھلک جائیں
تیری میری ہزار تصویریں
زندگی ہے کہ آئینہ خانہ!

یوں غمِ کائنات ، ذات میں ہے
چاند جیسے گھنے اندھیرے میں
رات بھر روشنی لٹاتا ہے

مَیں دوستوں کو کبھی بے وفا نہیں کہتا
اسی لئے تو مجھے نوجوان رکھتی ہے
تمام اچھی کتابوں سے دوستی میری

ایک چہرے پہ اَن گنت چہرے
ایک پیکر میں اتنے پیکر ہیں
جتنے تصویرِ کائنات میں رنگ

کیوں رُکیں اُس کے پاؤں دھرتی پر
اُڑتا پھرتا ہے آسمانوں میں
وہ تو فردوس کا پرندہ ہے

یوں کِھلا اولیں بہار کا پھول
آنے والی سبھی بہاروں کا
جیسے بس ایک پیش رو ہے یہی

جو تناسب ہے تیرے پیکر میں
وہ توازن ہے میرے فن میں بھی
حاصلِ کائنات ہیں اور تو

ہلکی ہلکی، لطیف، مونس جاں
ہے وہی تیرے روپ کی گرمی
آنچ جو سردیوں کی دھوپ میں ہے

یاد آتا ہے بچپنا اپنا
ہر گلی کے نشیب میں بچّے
تیز بارش میں جب نہاتے ہیں

کچھ عجب ہے وصال کا موسم
اک ترے روپ کے ہیں سو بہروپ
دھوپ میں چھاؤں اور چھاؤں میں دھوپ

پھول تو رنگ بھی ہیں نکہت بھی
خوں میں ڈوبی ہوئی محبّت بھی
تتلیاں کیا تلاش کرتی ہیں!

دیکھ کر مجھ کو تیرے چہرے پر
رنگ آتا ہے رنگ جاتا ہے
رنگ کتنے ہیں تیری چاہت کے!

آپس میں کہتے سنتے ہیں
ان سے بھی کچھ کہہ لیں سُن لیں
چہرے کیا باتیں کرتے ہیں!

ایک خوشبو ہے محبّت بھی جمیلؔ
جس کو محسوس تو کر سکتے ہیں
جو دکھائیں تو بکھر جاتی ہے

کیسا سیلاب حسن تھا یارو
کوئی آہٹ نہ گفتگو نہ سوال
اور سر سے گزر گیا پانی

وہ بھی کیا لوگ ہیں جو لوگوں سے
کسی خواہش کسی طلب کے بغیر
غائبانہ بھی پیار کرتے ہیں

کس نے یہ کھینچ دی سحر کی لکیر
ٹوٹتا جا رہا ہے شب کا خمار
سو رہے ہیں کہ جاگتے ہیں ہم!

جب سے دیکھا ترے وصال کا خواب
آ ملے لذّتوں کی سرحد پر
دودھیا خواب اور بے خوابی

تو نے چھیڑا دیپک راگ
مَیں نے چھیڑ دیا ملہار
پیار میں آگ اور پانی ایک

جھانکیں پیلے پیلے پھول
اُڑتے پھریں شریر پتنگ
چاروں اور بسنت بہار

سندر سندر تیرا روپ
جیسے نِکھری نِکھری دھوپ
تو ہے یا ایمن کلیان!

تیرے چہرے کا یہ جلال وجمال
جیسے عرفان ، آگہی ، وجدان
پیشِ ربِّ جلیل سربسجود

یوں تو ساحل نصیب ہیں لیکن
ہے وہی شور اِن کے سینے میں
سیپیوں کے بھی دل سمندر ہیں

یہ ملائم سا، آشنا لہجہ
آنکھوں آنکھوں میں یہ پذیرائی
سب تھکن دور ہو گئی اپنی

تو خوشبو اور خواب گلاب
مَیں شبنم کی نرم پھوار
اپنے پیار کا نام سحر

جانی پہچانی دنیا سے
جب اسرار کھلے تو کتنی
اَن جانی دنیائیں دیکھیں!

کرب جب آگہی میں ڈھلتا ہے
دل سمندر کے ہر صدف سے جمیلؔ
ایک موتی نیا نکلتا ہے

لفظوں کے چہرے، آئینے
آئینوں کے اندر اُترو
صدیاں روشن ہو جائیں گی

دُور افق پر ایک روشن سی لکیر
مجھ سے کہتی ہے کہ افسردہ نہ ہو
تیری دنیا میری دنیا ایک ہے

بانجھ دھرتی کی ہر اک پُور سے جب
پھُوٹ نکلیں گے گلابی موسم
کتنے رنگوں میں بہار آئے گی!

یاد خیالوں میں ڈھلتی ہے
لفظوں کی میناکاری سے
تیرا چہرہ بن جاتا ہے

منظر اور آنکھوں کے
درمیاں کھڑا ہے کون
مَیں ہوں یا زمانہ ہے!

سورج یوں تو ڈوب رہا ہے
لیکن مر جانے سے پہلے
کتنا بڑا بڑا لگتا ہے!

یہ زمین و آسماں کی وسعتیں
سارا عالم پردۂ تصویر ہے
سوچتا ہوں مَیں مصوّر کون ہے:

یاد کیا آیا ترا دستِ حنا
دھوپ کی رنگت حنائی ہو گئی
نارسائی بھی رسائی ہو گئی

خواب سارے بکھر گئے آخر
کاش اپنی گرفت میں ہوتے
لمحے موہوم آشنائی کے

ایک بے خواب خوابناکی کی
سیڑھیوں سے اگر گزر جائیں
حدِ آفاق پار کر جائیں

ہو گئیں سرد ساری اُمیدیں
جس طرح لوگ خیمہ بستی کے
رات دن کانپتے ٹھٹھرتے ہیں

پُھول کِھلنے کی رُت جب آتی ہے
پھیل جاتی ہے شعر سی خوشبو
لفظ بھی پھول بَن کے کِھلتے ہیں

پھول کا رنگ دیکھنے والو
کبھی تازہ ہَوا کے ساتھ چلو
اور خوشبو کا رنگ بھی دیکھو

اس کے آئینہ صفت پانی میں
عکس در عکس ہیں رقصاں چہرے
زندگی بہتا ہوا دریا ہے

مَیں نے بھی اپنے فن کی مٹی سے
چند شہکار بُت بنائے ہیں
تُو انہیں دھڑکنیں عطا کر دے

پھول تو دو تھے ایک خوشبو تھی
دیکھتے دیکھتے سرِ گلزار
کب کے بچھڑے مِلا دیئے کس نے!

پھول یوں تو بکھر گئے سارے
میرے دل کے حسین گوشے میں
آج بھی ایک پھول تازہ ہے

تیرے جسم کی آنچ ہے ایسی
میرے بدن کی پور پور سے
پھلجھڑیاں سی چھوٹ رہی ہیں

زندگی پر غرور کیا کرنا
ایک اک ڈور کٹتی جاتی ہے
جمگھٹا ہے پتنگ بازی کا

خوبصورت ہیں وہی خواب جنہیں
رات بھر دیکھتے رہتے ہیں مگر
صبح ہوتے ہی بکھر جاتے ہیں

دلہن جب گھر سے نکلی تو خموشی
کچھ ایسے چھا گئی دیوار و در پر
کہ جیسے سارا میلہ لٹ گیا ہو

وصل کی رات مختصر تھی بہت
ساری دنیا نئی سی لگتی تھی
اور اب کس قدر پرانی ہے!

جن کی جوڑی ابھی سلامت ہے
کیوں نہ ہر رات وہ یہی سوچیں
جیسے گزری نہیں سہاگ کی رات!

ہر بڑا آدمی مر جاتا ہے
یاد رہتا نہیں پیغام اُس کا
نام سِکّے کی طرح چلتا ہے

یاد آنے کو کیا کیا کچھ ہے
پھر بھی غم کے سنّاٹے ہیں
تم کیوں اکثر یاد آتے ہو!

گھر کی خوشبو نکل گئی گھر سے
کس کے آنگن میں جا کے پھیلے گی
اپنے بابل کے دل کی آبادی!

اداسی سے بھرا جنگل ہے دل بھی
مَیں اس جنگل میں رہتا ہوں اکیلا
مگر روشن ہے یادوں کا الاؤ

چوٹیوں پر یہ برف کی چادر
یُوں چمکتی ہے چاندراتوں میں
جس طرح دھوپ یخ زمستاں کی

تجھ کو صد برگ کہہ تو سکتے ہیں
ہم یہی سوچ کر مگر چُپ ہیں
پھول کا نام کس نے رکھّا ہے!

اپنے اندر بھی اور باہر بھی
ایک چاہت ابدابد سے رواں
کس نے دیکھی ہے پھول کی خوشبو!

پھول تو سب ہی پھول ہوتے ہیں
ہم کوئی نام بھی نہ دیں گے تجھے
آج سے پھول ہی کہیں گے تجھے

سمندر کی لہروں پہ دیکھا ہے تم نے
چمکتے ہوئے چاند کا رقصِ پیہم
یہی اپنا بندھن یہی اپنی دھڑکن!

اچھلتے سمندر کی تابانیوں میں
شفق رنگ سورج کا عکسِ فروزاں
ابد کی کہانی رقم کر رہا ہے

چٹانوں سے ٹکرا کے موجیں
پلٹتی ہیں یوں جیسے شیشہ
خود اپنی ہی شدّت سے ٹوٹے

اِدھر تیری گردن میں ہیں میری باہیں
اُدھر یہ سمندر ہمیں چومتا ہے
چلو ہم سمندر ہی میں ڈوب جائیں

دل کا شیشہ اگر تڑخ جائے
دوسروں کا تو ذکر کیا کرنا
اپنی پہچان بھول جاتی ہے

ہم تو چھُو کر گنہگار ہوئے
اتنے کچّے تھے تیرے پیار کے رنگ
ہم نے تتلی سمجھ کے چھوڑ دیا

کیوں ہار رہے ہو زندگی کو
یوں پیار دُلار کے جوئے ہیں
یہ کھیل نہیں ہے، زندگی ہے

یہ بات ہے کتنے حوصلے کی!
دنیا کو گلاب دینے والے
چپ چاپ عذاب سہہ رہے ہیں

یوں وہ آیا بھی گیا بھی جیسے
دل میں اک پل کو چراغاں ہو جائے
اور پھر سارے دیئے بجھ جائیں

حُسنِ فطرت کی کتنی آنکھیں ہیں؟
دیکھتی ہیں نجانے کیا کیا کچھ
زخم کھا کر بھی کچھ نہیں کہتیں

تیرا پیلا پیلا .... روپ
جیسے ہو سہ پہر کی دھوپ
یا کیاری میں زرد گلاب

چھوٹی چھوٹی محبتوں کے گلاب
یوں ہیں نفرت کے گھپ اندھیرے میں
جیسے منظر کوئی چراغاں کا

تم تو چُھپے کتنے پردوں میں
رِشتوں کی اِس بھیڑ میں لیکن
ہم نے تمھیں پہچان لیا ہے

تیری پلکوں کی شاخساروں پر
میرے دل کے چراغ روشن ہیں
گھر میں چاروں طرف اجالا ہے

صبح ہوتے ہی شبنمستاں میں
سج گئے کتنے آئینہ خانے
ان میں بھی جھانک کر کبھی دیکھو

اپنی خوشبو ہے راستے میں ابھی
دھوپ جب آ ملی دریچوں سے
لوٹ آئے گی اپنی بینائی

جب کھلا یاد دریچہ تو مجھے
تیری اُڑتی ہوئی خوشبو آئی
ایسا محسوس ہُوا تو آئی

ایک ہے شہر میرے اندر کا
دوسرا شہر میرے باہر کا
اور دونوں مری تلاش میں ہیں

یہ مرا شہر جس میں رہتا ہوں
سارے رستے اسی کی سمتوں سے
اور سمتوں کی سمت کھلتے ہیں

زندگی، جو گزار دیتے ہیں
اِس کو سمجھیں تو یہ حقیقت ہے
اور نہ سمجھیں تو اک فسانہ ہے

مجھ میں صدیاں سما گئیں لیکن
مجھ کو تحلیل کر سکا نہ مگر
وقت کا بے کراں سمندر بھی

لمحے اُڑتے تھے پتنگوں کی طرح
گِر گئے وقت سمندر میں مگر
کتنے رنگوں کی دھنک چھوڑ گئے!

یُوں تو میں ایک شجر ہوں لیکن
گھونسلے ، سائے ، پرندے ، نغمے
ایک دنیا مری آغوش میں ہے

حُسن جو تیری کائنات میں ہے
اک نظر میں سما تو سکتا ہے
سب کتابوں میں آ نہیں سکتا

آئینہ عکس ہی دکھاتا ہے
عکس کے پار دیکھ سکتے ہیں
آئینہ ہی اگر رقیب نہ ہو

تُو پھول تھا تجھ کو دیکھتے ہی
بے ساختہ اُڑ کے آئی تتلی
کس پیار سے تجھ کو چومتی ہے!

تُو مری یاد ، میری موسیقی
کسی موسم کی تُو نہیں محتاج
اپنے موسم بھی ساتھ لاتی ہے

تتلیوں کی بھری نمائش میں
ایک سے ایک پھول سا چہرہ
اور خوشبو! سو وہ کہیں بھی نہیں

گھر میں اُتری ہے چاہتوں کی برات
آج تو ساری کائنات کے رنگ
میں نے دیکھے ہیں تیری آنکھوں میں

باہر کے پیارے موسم میں
بے گھر لوگوں سے بھی پوچھو
اندر کا موسم کیسا ہے!

وقت سب کچھ سمیٹ لیتا ہے
جا کے واپس کبھی نہیں آتا
اور یادیں بھٹکتی پھرتی ہیں

اپنی پہچان گُم نہیں ہوتی
جذب کر کے بھی ان گنت چہرے
آئینہ آئینہ ہی رہتا ہے

ہے یہی وصل بھی، فراق بھی ہے
پھول کانٹے کے پاس ہے لیکن
درمیاں فاصلہ بھی رکھتا ہے

سب کو وہ آئینہ دکھاتے ہیں
اُن سے اتنا نہ ہو سکا لیکن
خود کو بھی آئینے میں پہچانیں

سرابوں کا تعاقب کرنے والے
ہمیشہ خواب ہی دیکھا کئے ہیں
گلابوں کی مہک لائیں کہاں سے!

تجھ کو دیکھا تو دیکھتے ہی تجھے
منکشف موسمِ بہار ہُوا
ایک لمحہ ابد کنار ہُوا

زندگی کے سفید کاغذ پر
کیا لِکھا ہے سمجھ نہیں آتا
کیسا رشتہ ہے حرف و معنی کا!

اپنی آنکھوں کے آئینہ گھر میں
تیری تصویر آج کیا دیکھی
خود بھی تصویر بن گیا ہوں میں

کتنے تاروں کے قافلے ہیں رواں
ایک سورج کی پیشوائی کو
اور ہم ہیں کہ سو رہے ہیں ابھی

تُو ہے وہ مرکزِ جلال و جمال
جس سے وابستہ میری ذات بھی ہے
اور یہ ساری کائنات بھی ہے

کتنی بھولی ہے شوخ تِتلی بھی
کاغذی رنگ رنگ پھولوں میں
سچ کی خوشبو تلاش کرتی ہے

مسکراہٹ سے پھول کھلتے ہیں
آنسوؤں سے ہے کشتِ جاں سیراب
دل کے جذبوں کا بھی جواب نہیں

موت ہے اک مہیب رات تو کیا
زندگی کو نہیں ثبات تو کیا
اپنے جذبے تو غیر فانی ہیں!

ہیں حُسن کے بے شمار پہلو
ہے کون مگر حسین و سادہ
انسان کے حسن سے زیادہ

مَیں جو رویا تو بیدِ مجنوں بھی
جانے کیوں پھوٹ پھوٹ کر رویا
کس کو مِلتا ہے غم گسار ایسا!

یہ مری دھول سے اَٹی گلیاں
ان میں آباد میرے پھول سے لوگ
پھول اور دھول میرا سرمایہ

یہ زمیں جانے کب سے رقص میں ہے
جانے کب یونہی رقص کرتے ہوئے
حدّتِ مہر سے پگھل جائے

ذہن کو ڈھالتے ہیں لفظوں میں
دل کو رنگوں میں یوں ڈبوتے ہیں
تیری تصویر بنتی جاتی ہے

ایسے بھی کتنے جذبے ہیں
جن کو خاموشی کہتی ہے
لفظ جہاں گونگے ہوتے ہیں

دوستو! مَیں لغت نویس نہیں
مَیں تو شاعر ہوں ایک قطرے میں
اک سمندر بھی دیکھ سکتا ہوں

تم سبھی پیار کے، سنگھار کے رنگ
اپنے ہمراہ لے کے آ جاؤ
آ رہا ہے بہار کا موسم

جس میں صحراؤں کی سی وسعت ہے
سر کشیدہ ہے جو پہاڑوں سا
ہے وہی کائنات کا دولہا

یہ پودے، پھول، پھل، چاند اور تارے
کبھی مجھ سے خفا ہوتے نہیں ہیں
مِری ان سے پرانی دوستی ہے

خواہشیں بھی ہیں تاش کے پتّے
روز ہم ان کے گھر بناتے ہیں
روز آندھی سے ٹوٹ جاتے ہیں

چاند تو ایک سا نہیں رہتا
جس ستارے میں استقامت ہے
تم وہی دل کے استعارے ہو

کھُل گئے بھید ایک ہی پل میں
آسمانوں کے اور زمینوں کے
اس نے کیسی نگاہ سے دیکھا!

ہر کسی کو تری تلاش رہی
جیسے اک تیری جستجو کے سوا
مقصدِ زندگی نہیں کوئی

کیا تماشا ہے سامنے اپنے
ڈوبتی جا رہی ہے خلقِ خدا
اور ہم چپ کھڑے ہیں ساحل پر!

کون خلّاق ہے پسِ پردہ
پل میں تخلیق کر دیا کس نے
ایک خود کار کارخانے کو!

آسمان و زمیں قریب نہ تھے
اور دونوں طرف اندھیرا تھا
روشنی ہم نے درمیاں رکھ دی

سب کے اپنے راز، اپنی بازیاں
اک جوآخانہ ہے دنیا بھی یہاں
اپنے پتّے کوئی دکھلاتا نہیں

روپ بہروپ ہیں تیرے کیا کیا؟
کچھ تو ان کا بھی قرینہ ہو گا
تُو نے دونوں کا بھرم توڑ دیا!

جو مثلِ غبار اُڑ گئے ہیں
کیا جانے بدلتے موسموں میں
وہ بن کے بہار لوٹ آئیں

برف پگھلے تو لہریا پانی
اس طرح پتھروں پہ گرتا ہے
گنگ پتھر بھی گنگناتے ہیں

یہ تعاقب میں چاپ کیسی ہے
تو ہے یا ایک ایک آہٹ میں
آنے والا نیا زمانہ ہے!

آدمی بھی تو اک پرندہ ہے
دانے دُنکے کی فکر بھی ہے لسے
اور چاہت بھی آشیانے کی

اب کے تو نے خبر نہ لی آ کر
یوں تو آنکھوں میں خشک سالی تھی
کتنے ساون برس گئے دل میں!

وقت کے بیکراں سمندر میں
یوں تو قطرے کی ہے بساط ہی کیا
دل تو قطرے کا بھی سمندر ہے

تم تو ایسے مجھے بھلا بیٹھے
جیسے بچّہ کوئی کھلونوں سے
کھیلتا اور بھول جاتا ہے

چاندنی ، رنگ ، تبسّم ، خوشبو
ایک شاعر کے تخیّل کے سوا
کس کے لفظوں میں سما سکتے ہیں!

مجھ کو حیرت سے نہ دیکھو یارو
تم کو کچھ بھی نہ دکھائی دے گا
چوٹ اندر کی ہے باہر کی نہیں

آ گئے ہو تو میری راتوں کو
دودھیا روشنی سے نہلا دو
چاندیوں روز کب نکلتا ہے!

کتنی راتوں کے بعد آتے ہو!
ہم تو ہر شام سوچتے ہیں کہ چاند
اب نکلتا ہے اب نکلتا ہے

عورت، خوشبو اور کھجور
تینوں تحفے قدرت کے
جنم جنم ہے ان کی مٹھاس

اپنے فن میں تراش کر تجھ کو
یوں تو سب کچھ ہی مل گیا ہے مجھے
ایک تجھ سے بچھڑ گیا ہوں میں

خواب بوئے، عذاب کاٹے ہیں
اب عذابوں کا زہر پی پی کر
لہلہاتے گلاب کاٹیں گے

ڈھونڈنے جا رہے تھے تعبیریں
دل کے ایسے الجھ گئے دھاگے
ایک اک خواب ٹوٹ ٹوٹ گیا

میں جس کی تلاش میں مگن ہوں
وہ مجھ کو تلاش کر رہا ہے
مِل جائیں اگر کہیں تو کیا ہو!

تُو زمیں اور آسماں ہوں میں
آ مِلے ہیں افق کنارے پر
اپنی منزل کہیں یہیں تو نہیں!

جتنے بھی رنگ کائنات میں ہیں
اس طرح مجھ سے ہم کلام ہوئے
بن گئی تیری بولتی تصویر

یہ زمیں آسماں مری آنکھیں
راستوں کو اجال دیتی ہے
روشنی اپنے دو چراغوں کی

یہ جو چپ چاپ سے کھڑے ہیں پہاڑ
ان کے دل بھی ٹٹول کر دیکھو
یہ الٹ دیں گے سب خزانوں کو

تُو وہ تمثیلِ گریزاں ہے کہ ہم
تجھ کو محسوس تو کر سکتے ہیں
تیری تفسیر نہیں ہو سکتی

اس قدر چاندنی کی بارش تھی
اپنے اپنے پروں کے جھولے میں
سارے جگنو سمٹ کے بیٹھ گئے

اتنی برفیلی رات میں تنہا
چاند کس کی تلاش میں چپ چاپ
منجمد سا، اداس پھرتا ہے!

پھول سورج مکھی کے پیاسے ہیں
پھول تنہا ہیں رات رانی کے
پھر بھی خوشبو لٹاتے رہتے ہیں

کھا گئی اَن گنت کتابوں کو
ظلمتوں کی یہ بدنما دیمک
روشنی کی کتاب روشن ہے

کتنے رنگوں سے اور لکیروں سے
مَیں نے یہ تیری کائنات لکھی
بولتا ہے جہانِ فن میرا

مَیں نے تو تم سے دل کی بات کہی
سُن کے بیرن ہوا نے بات مری
ساری دنیا میں جا کے پھیلا دی

سوچ لو آگ ہے محبت کی
آگ میں ہاتھ ڈالتے ہو مگر
انگلیاں جل گئیں تو کیا ہو گا؟

ہم کو تنکوں کی طرح مت پھینکو
ہم اگر بہہ گئے سمندر میں
اپنا سیلاب کون روکے گا!

کتنے ہی ہاتھ ہیں تعاقب میں
تتلیاں بے کراں محبت سے
پھر بھی منڈلا رہی ہیں پھولوں پر

ہَوا میں بھینی بھینی سی یہ خوشبو
فضا میں لہر سی سرگوشیوں کی
کوئی احساس کو چھُو کر گیا ہے

شام ہوتے ہی جل اٹھتے ہیں چراغ
صبح ہوتی ہے تو بجھ جاتے ہیں
زندگی بجھتی سلگتی ہی رہی

یہ ترے قرب، یہ دُوری کی مہک
جیسے دہلیز پہ چُپکے چُپکے
کوئی آ آ کے پلٹ جاتا ہے

میرے خوابوں کا سمندر بے کراں
میرے زخموں کا تبسّم جاوداں
یہ تمھارا بھی ہے میرا ہی نہیں

جب وہ پیار کا نغمہ چھیڑے
تازہ ہوا چلنے لگتی ہے
بند دریچے کھُل جاتے ہیں

صبح جاگی، رات پیچھے رہ گئی
ان گنت چہروں پہ لو دینے لگا
اک مہکتا، جگمگاتا آفتاب

اتنی معصومیت کے ساتھ اس نے
جھوٹ بولا کہ میں نے پل بھر میں
اپنا سب کچھ لُٹا دیا اس پر

اپنی پہلی نظر کی بھول کہوں
چاند تم کو کہوں کہ پھول کہوں
کچھ بھی ہو تم مری محبّت ہو

ایسے تیری یاد نے چھیڑا مجھے
جیسے بے آواز ساکت جھیل میں
راہ چلتے کوئی کنکر پھینک دے

تُو نے جب سے مسکراہٹ اوڑھ لی
دل میں جتنے زخم تھے سب بھر گئے
میری صدیوں کی تھکن جاتی رہی

جاوداں زندگی ہے دور کی بات
اتفاقاً ہی مجھ کو مِل جائے
ایک لمحہ جو میرا اپنا ہے

مَیں وہ نقطہ ہوں جس کے چار طرف
گھومتے ہیں یہ آسمان و زمیں
مَیں سبھی کچھ ہوں اور کچھ بھی نہیں

دوست خوابوں کا پوچھتے کیا ہو؟
دُھند میں دُھند جیسے مِل جائے
اور کچھ بھی نہ اپنے ہاتھ آئے

چھ دروازے کھول دیئے ہیں
میرے خوابوں کی تعبیریں
ساتویں در سے بھی آ گے ہیں

شبنم ، موتی ، جگنو ، تارے
تیری یاد آئے تو آنسو
کس کس روپ میں ڈھل جاتے ہیں !

وقت کا ایک سلسلہ ہے مگر
دل کے دریا کی مضطرب لہریں
ایک ہی سمت کیوں نہیں بہتیں !

عمر گزری ہے ساتھ ساتھ مگر
پھر بھی ایسے کئی مقام آئے
پاس رہ کر بھی پاس پاس نہ تھے

پہلی دستک پہ یہ آواز آئی
ہم سے ملنے تو چلے آئے ہو
کیا کبھی خود سے ملاقات ہوئی!

اتنی تھوڑی سی زندگی میں اگر
ہم محبّت کریں تو ہر لمحہ
عمر اپنی بڑھا بھی سکتا ہے

جمیل ملک ان سینئر شعرا میں سے ہیں۔ جنہوں نے ہائیکو کی نئی ہیئت کو اپنا کر وقار بخشا ہے ہائیکو میں ان کی منفرد اور الگ پہچان ہے۔ ان کے ہائیکو باطنی خوبیوں سے آراستہ ہیں پیرایۂ اظہار میں ان کے یہاں بحر کا تنوع ملتا ہے۔ جمیل ملک کی ہائیکو نگاری پر اظہار رائے کرنا میرے لیے باعث فخر ہے۔

ڈاکٹر محمد امین